© rasailojaraid.com

ڈاکٹر محمد طفیل

مولانا جوہر
اور
اتحاد عالم اسلامی

مولانا محمد علی جوہر (۱۸۷۸ - ۱۹۳۱ء) پر قلم اٹھانا کوئی آسان کام نہیں ہے کیونکہ ایک طرف تو مولانا جوہر کی شخصیت بے شمار پہلوؤں پر محیط ہے، گویا اہل کمال کا پورا شہر ان میں سمویا ہوا ہے اور ان کی زیست کا ہر پہلو اس قابل ہے کہ اس پر علمی اور تحقیقی مقالات لکھے جائیں - اور دوسری جانب جوہر کے بارے میں کچھ لکھنے سے مراد یہ ہے کہ پچھلی ایک پوری صدی کے متعلق لکھا جائے - کیونکہ مولانا جوہر کے اسلامیان ہند پر خصوصاً اور مسلمانان عالم پر عموماً اس قدر احسانات و اثرات ہیں جنھیں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا - اس لیے ہم اس مختصر سی فرصت میں حضرت جوہر کی زندگی کے دو پہلوؤں پر نہایت اختصار سے روشنی ڈالیں گے -

● (الف) جوہر کی دینی اور فلاحی خدمات

(ب) مولانا جوہر اور اتحاد عالم اسلامی

مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا اکثر حصہ دین کی خدمت میں گزرا - یہ درست ہے کہ وہ علی گڑھ میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد آکسفورڈ میں داخل ہوئے اور انھوں نے اپنی اعلیٰ تعلیم وہیں مکمل کی - مغرب کی تہذیب اور یورپ کی اخلاقی اور جنسی بے راہ روی کس سے پوشیدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے؟ اور ہندوستانی طالب علم جو انگلینڈ میں حصول تعلیم کے لیے جاتے تھے وہ بھی اس تہذیب کے رنگ میں رنگے جاتے تھے، اور

ہر کہ در کان نمک رود نمک شود

کے مصداق اسی تہذیب و تمدن کا لبادہ اوڑھ کر اسی کے مظہر اور مبلغ بن جایا کرتے تھے لیکن، محمد علی جو ابھی مولانا محمد علی نہیں بلکہ مسٹر محمد علی ہے، اس غلاظت سے کوسوں دور رہتا ہے اور مغرب کی خیرہ کر دینے والی تہذیب اس پر کسی طرح سے بھی اثر انداز نہیں ہو سکی۔ اس گندگی کی دلدل میں رہ کر بھی ہندوستان کے اس ذہین اور چاک وچوبند طالب علم نے عفت اور پاک دامنی کی زندگی بسر کی اور اپنی نیک نامی قائم رکھی۔[1]

آکسفورڈ سے تعلیم پوری کرتے کرتے مولانا جوہر ہندوستانی مسلمانوں کے لیے خصوصاً اور پورے ہندوستانیوں کے لیے عموماً ایک لیڈر کی حیثیت سے اُبھر چکے تھے اور اس وقت وہ اسلام کے ایک سچے سپاہی اور پیرو کار کی طرح اس اُصول کو اپنا چکے تھے کہ

"اَلْحُبُّ لِلّٰهِ وَالْبُغْضُ لِلّٰهِ"

چنانچہ ان کی کسی سے بھی ایسی دوستی یا دشمنی نہیں تھی جو ذاتی وجوہ کی بناء پر قائم ہوئی بلکہ ان کے ہاں ایک ہی معیار تھا کہ جو اللہ اور اس کے دین اور اس کی مخلوق کی بھلائی چاہتا ہے وہ محمد علی کا بھی دوست ہے اور جو اسلام اور انسانیت کا دشمن ہے، اس کی جوہر سے دوستی نہیں ہو سکتی۔

مذہب کے بارے میں وہ اس قدر جری، با اصول اور حقیقت پرست تھے کہ اسلام کے معاملے میں وہ کسی سخت سے سخت حاکم سے بھی نہیں ڈرتے تھے۔ حکومت برطانیہ جس کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا اور جس کے دبدبے کا یہ عالم تھا کہ خود کانگریس اور مسلم لیگ بھی اگر کوئی معاملہ یا مطالبہ پیش کرنا چاہتی تھیں تو پہلے حکومت برطانیہ کی وفاداری کا اعادہ کرتیں، حکومت کو اپنے تعاون کا یقین دلاتیں اور اس کے بعد اپنی تجویز یا مطالبہ پیش کرتیں۔ اس کے برعکس، مولانا جوہر نے کبھی ایسی نرمی یا مداہنت سے کام نہیں لیا

---

[1] و [2] بیس بڑے مسلمان - عبدالرشید ارشد، لاہور ۱۹۸۱ء - صفحہ ۹۰۶، ۸۲۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا بلکہ جو بات کہتے علی الاعلان کہتے - چنانچہ ایک بار انھوں نے فرمایا[1]:

"اگر حکومت مذہبی معاملات میں دخل اندازی کرے گی تو ہم سے بڑھ کر اس کا کوئی دشمن نہ ہوگا"

مولانا جوہر کی رائے خام نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ مضبوط اور قوی دلائل کے ساتھ ہوا کرتی تھی - مولانا جوہر کے اس قول کو اگر ان کی اس دلیل کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے جو انھوں نے مقدمہ کراچی کے بیان میں ارشاد فرمائی تو ان کی فراست، خدا پرستی اور خدا پر مضبوطی ایمان کا قائل ہوئے بغیر کوئی چارہ باقی نہیں رہ جاتا - مولانا جوہر کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے :-

"ہم پر خدائے تعالیٰ کی طرف سے بھی کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں اور سلطنت کی طرف سے بھی - آخر کار حکومت برطانیہ کی حکومت شاہی کے مطالبات اور خدائے حیّ وقیّوم کی ربوبیت کے احکام میں تصادم ہونے لگا تو ہمارے ذمے صرف وہی فرائض رہ گئے جو خدا کی طرف سے عائد ہوتے تھے - اور ایسی حالت میں ہم صرف خدا ہی کے حکم کی تعمیل کر سکتے ہیں"[2]

ہماری رائے میں توحید پرستی اور اعلائے کلمۂ حق کی اس سے بڑھ کر دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ دشمن کو اس کے منہ پر جواب دیا جائے اور انسانوں کے مقابلے میں خدا کی ربوبیت اور الوہیت کا سر دار بھی اعلان کیا جائے - پھر اس دلیل میں عقلی نقطۂ نظر سے اس قدر وزن موجود تھا کہ کوئی بھی ذی شعور انسان اس سے انکار نہیں کر سکتا -

مولانا جوہر نے اپنا مذکورہ بالا نظریہ محض خواب میں قائم نہیں کر لیا تھا، بلکہ مذہب کے بارے میں وہ جس قدر حقیقی تجربے سے گزرے اس کی ایک جھلک بیان کرنے کی کوشش کرتا

---

[1] بیس بڑے مسلمان - عبد الرشید - لاہور ۱۹۶۹ء - صفحہ ۷۹۹

[2] ماخوذ از بیان مقدمہ کراچی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوں :-

یہ ایک حقیقت ہے کہ مولانا جوہر ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے تھے، لیکن ایک روایتی قسم کے مسلمان نہیں تھے، بلکہ ان کی کیفیت اس مسلمان کی سی تھی جس نے مذہب کو عقل و دانش اور کڑے تجربے کی کسوٹی پر پرکھ کر قبول کیا ہو۔ چنانچہ ۱۹۱۴ء میں انھیں جیل بھیجا گیا اور چار برس تک محبوس رہے۔ اس عرصہ میں انھوں نے قرآن حکیم کا اس قدر گہرا مطالعہ کیا کہ اب وہ اس قابل ہوگئے تھے کہ بڑے سے بڑے مخالف کو دلائل کے ساتھ اسلام کا گرویدہ اور قائل بنا سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اب محمد علی جوہر کے دل میں یہ خیال موجزن ہوگیا تھا کہ وہ یورپ اور امریکہ کے تمام انسانوں کو مسلمان کرکے دم لیں گے۔ ایک جگہ وہ خود تحریر فرماتے ہیں :-[1]

> "نظر بندی ۱۹۱۴ء - ۱۹۱۹ء کے زمانہ میں پہلی بار قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے کا موقع ملا - اس نے آنکھیں کھول دیں - اسلام کی حقیقت اب سمجھ میں آئی - عبدیت الٰہی اور خلافت فی الارض کے معنیٰ اب روشن ہوئے - یورپ کے سارے درد کا درمان وحید اسلام میں نظر آیا۔"

اس کے بعد ان کی ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ وہ یورپ اور امریکہ بسنے والوں کو اس حقیقت سے آگاہ کرسکیں کہ ان کی تمام ناکامیوں اور بیماریوں کا مداوا صرف اسلام میں مضمر ہے۔[2]

مولانا محمد علی جوہر نے دین میں جبر و اکراہ والی آیت کی ایک عمدہ تفسیر پیش کرنے کی

---

[1] محمد علی، ذاتی ڈائری کے چند اوراق - مولانا عبدالماجد دریا آبادی - اعظم گڑھ ۱۹۵۴ء - جلد ۲ - صفحہ ۲۳۲ - نیز یہ اقتباس مولانا جوہر کی کتاب MY LIFE A FRAGMENT، مرتبہ افضل اقبال میں بھی شامل ہے۔

[2] محمد علی، ذاتی ڈائری کے چند اوراق - صفحہ ۲۲۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوشش کی ہے۔ اس تشریح سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے دل میں کس طرح سے دین کی عظمت اور اس کی پیروی کا احساس موجزن ہوگیا تھا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے[۵۱]: لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ وہ اس آیت کے لفظ "فِیْ" پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

"فِیْ بمعنی "میں" یا "اندر" ہے اور اس آیت سے یہ بھی مراد لیا جاسکتا ہے کہ دین کے اندر آکر کوئی جبر و اکراہ باقی نہیں رہتا۔ جب مالک کائنات پر یقین و اعتماد جم گیا تو پھر دین کا جو بھی حکم یا مطالبہ ہو مومن کی طرف سے غفلت یا تساہل ممکن ہی نہیں۔ اب اس امر کی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی کہ مسلمان سے دین کی اطاعت زبردستی کرائی جائے بلکہ وہ تو خالق کائنات کی رضامندی کے حصول کے لیے سب کچھ برضا و رغبت پیش کردے گا اور اس دین کے اندر داخل ہوجانے کے بعد سارا کاروبار ہی رضاکارانہ رغبت و شوق اور والہانہ محبت و ذوق کا ہے۔ جبر و زبردستی کا نشان تک باقی نہیں رہ جاتا"[۵۲]

یہی وجہ تھی کہ مولانا محمد علی جوہر جیسے شعوری مسلمان کا ہر لمحہ دین اسلام کی اطاعت میں گزرتا تھا۔ تلاوت قرآن پاک، تسبیح و تہلیل، ورد و وظائف کے ساتھ ان کا دماغ، ان کا قلم، ان کی صلاحیتیں، ان کی شخصیت، غرضیکہ ان کی زندگی کا ہر پہلو اور ہر لمحہ خدمت اسلام اور اطاعتِ خداوندی میں گزرتا ہے۔ مولانا جوہر کے معاصر اور رفیق کار مولانا عبدالقدوس[۵۳] ہاشمی (اللہ ان کی عمر دراز کرے) اپنے ذاتی تاثرات بیان کرتے ہوئے مولانا کو ان الفاظ میں سراہتے ہیں:۔

"وہ پابندی سے نماز پڑھتا تھا، پابندی سے روزے رکھتا تھا اور

---

۵۱ القرآن الحکیم سورۃ البقرہ آیت ۲۵۶

۵۲ محمد علی ذاتی ڈائری کے چند اوراق۔ جلد ۲۔ صفحہ ۲۴۱۔

۵۳ علی برادران۔ رئیس احمد جعفری۔ لاہور ۱۹۶۳ء صفحہ ۵۷ تا ۶۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذات رسالت مآب سے اس کے عشق اور شیفتگی کی یہ کیفیت تھی کہ بیان سے باہر۔ وہ افکار و اعمال میں ایک مسلمان تھے۔ صدیوں میں ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں جن کی تعریف میں یہ بات کہی جائے .... ان کے افکار عالیہ، ان کی غیر معمولی قابلیت، ان کی جرأت ایمانی، احکام شرعی کی پابندی، فراست ایمانی، ساری دنیا خصوصاً دنیائے اسلام سے ان کی سچی ہمدردی، ایسی خوبیاں تھیں جن وجہ سے ہر ملاقات کے بعد عقیدت میں اضافہ ہی ہوتا تھا۔"

یہاں تک ہم نے اس موضوع پر روشنی ڈالی کہ مولانا جوہر اگرچہ ایک سیاسی رہنما تھے اور انھوں نے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے بہت زیادہ کام کیا، لیکن حقیقت میں وہ ایک مذہبی رہنما بن چکے تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ مسٹر سے مولانا جیسے معزز لقب سے ملقب ہوئے۔ اور انھوں نے مذہب اسلام کو عقل کی روشنی میں شعوری طور پر قبول کیا اور پھر ساری زندگی اس پر عمل اور اس کی تبلیغ و اشاعت کے لیے وقف کردی۔

آئندہ سطور میں ہم ایک ایسے پہلو پر روشنی ڈالیں گے جس کی بناد پر مولانا محمد علی جوہر ہندستانی سیاسیات اور ہندستانی ماحول سے نکل کر عالم اسلام کا ایک درخشندہ ستارہ دکھائی دیتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ ہم مولانا جوہر کے افکار روشنی ڈالیں، ہم چاہتے ہیں کہ اس اہم موضوع سے تعارف حاصل کرتے چلیں۔ اور وہ موضوع ہے،

اتحاد عالم اسلامی

اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ "مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں"[1] اور "مسلمان سارے کے سارے ایک ملت ہیں"[2] اور ان اصطلاحات پر پوری طرح سے عمل درآمد بھی رہا، لیکن جب مسلمان دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے اور سیاسی عروج وزوال کے نتیجے میں مسلمان اپنے اس بنیادی اتحاد سے دور ہٹ گئے اور وقتی مصلحتوں اور اسلام دشمن قوتوں نے انھیں نہ صرف ایک دوسرے سے دور کردیا بلکہ وہ ایک دوسرے کے دشمن بھی بن

---

1. القرآن الحکیم سورۃ الحجرات آیت ۱۰ 2. القرآن الحکیم سورۃ آل عمران آیت ۱۱۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیٹھے۔ اور یہ دشمنی یہاں تک بڑھ گئی کہ مسلمانوں کو کمزور دیکھ کر کفر کو یہ جرأت ہوئی کہ وہ مسلمانوں کو باہم لڑا دے۔ اس کیفیت اور حالات کا اندازہ مردِ آہن سید جمال الدین افغانی نے انیسویں صدی عیسوی میں کرلیا تھا اور انھوں نے ملتِ اسلامیہ کو اتحادِ عالمِ اسلامی کی پُرزور دعوت دی تھی۔ ان کی رائے میں مسلم ریاستیں اپنے ذاتی تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے اور ایک دُوسرے کے اندرونی معاملات میں مداخلت کے بغیر مغرب کے خلاف متحدہ محاذ بنا سکتی ہیں، چونکہ مسلمان قرآن مجید کے الہامی ہونے پر ایمان رکھتے ہیں، اس لیے انھیں باہمی اختلافات قرآن حکیم کی روشنی میں طے کرنے چاہئیں۔ چنانچہ افغانی لکھتے ہیں[1]:

"پشاور سے اورنہ تک مسلمان ریاستیں مذہب، جغرافیہ اور قرآن کی رُو سے ایک ہیں، ان کی آبادی پانچ کروڑ سے کم نہیں، جرأت اور بہادری ان کے نمایاں اوصاف ہیں۔ کیا انھیں دُوسری اقوام کی طرح دفاع اور تقدیم کے لیے متحدہ ہونے کا کوئی حق نہیں"

سید جمال الدین افغانی یہ چاہتے تھے کہ مسلمان حکومتیں اپنا وجود اور تشخص قائم رکھتے ہوئے ایسا (کنفنڈریشن) قائم کریں جس میں حتمی فیصلے قرآن کے ذریعے سے ہوں، اور مسلمانوں کے کسی مملک پر حملے کی صورت میں دیگر اسلامی ممالک اسے اپنے اوپر حملہ تصور کرکے مسلمان ملک کا ساتھ دیں۔ یہ تحریک اپنے بہت سے نشیب وفراز سے گزری[2]۔ ۱۹۲۷ء میں مسلمان نوجوانوں کی انجمن قائم ہوئی، اس نے اس تحریک کو سینچا۔ ۱۹۲۸ء میں مصر میں اخوان المسلمین قائم ہوئی اس نے بھی اس پودے کی آبیاری کی۔ ہندوستان میں بھی اتحاد عالم اسلامی کا خیال پیدا ہوا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس تحریک کو بہت تقویت بخشی اور اسی کی کوکھ سے پاکستان بنانے کے نظریئے نے جنم لیا تاکہ مسلمان جو کہ متحدہ ہندوستان میں دوسرے درجے کی اکثریت ہیں انداً نھیں اپنی ہر مذہبی تحریک اور کوشش

---

[1] العروۃ الوثقیٰ۔ سید جمال الدین افغانی۔ القاہرہ ۱۹۵۷ء صفحہ ۷۲۔

[2] PAN MOVEMENTS IN THE THIRD WORLD, S. ALI, LAHORE 1976 PAGE 210

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے وقت ہندو اکثریت کا سامنا ہوتا ہے، اپنا الگ اور آزاد وطن حاصل کریں تاکہ وہاں اسلام کو صحیح معنوں میں نافذ کرسکیں اور اتحاد عالم اسلامی کی تحریک کو کامیاب بناسکیں۔

یہی وہ دور ہے، جب کہ ہمارے بے باک اور نڈر لیڈر مولانا محمد علی جوہر نے اس نظریہ کو نہ صرف اپنایا بلکہ اس کو عملی طور پر سچ کر دکھانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔

دورِ جدید میں تحریک اتحادِ عالم اسلامی کے بانی سید جمال الدین افغانی نے اپنی تحریک کی بنیاد اجتہاد پر رکھی۔ اور وہ چاہتے تھے کہ مسلمان اجتہاد کی بدولت اپنے جملہ مسائل کا حل تلاش کریں اور اجتہاد کو ایسی قوتِ نافذہ بنائیں کہ ہر مسئلہ اس کی روشنی میں حل ہوتا چلا جائے۔

مولانا محمد علی جوہر، جو کہ اتحادِ عالم اسلامی کے داعی تھے، انھوں نے بھی اپنے نظریات کی اساس سید جمال الدین افغانی کی طرح اجتہاد کے اصولوں پر قائم کی۔ چنانچہ ان کے ایک ہم عصر اور قابلِ اعتماد رفیق حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی[1] کی رائے ملاحظہ فرمائیے۔

> "محمد علی، مسائلِ فقہ میں حنفی تھے لیکن مقلد ہونے کے باوجود حقِ اجتہاد اپنے لیے اور ہر مسلمان کے لیے محفوظ رکھتے تھے۔ کہا کرتے تھے: کسی ماہر (SPECIALIST) کے قائل و معتقد ہونے کے یہ معنیٰ نہیں کہ اسے محفوظ عن الخطا سمجھ لیا جائے اور اس کے ہر ہر جُزیہ پر یکساں ایمان لانا لازم ہے۔ یہ تقلید تقلید جامد ہے۔ امام ابوحنیفہ بے شک بہت بڑے فاضل، مجتہد، زیرک، دانا، عاقل و فہیم تھے، لیکن باوجود اس کے ہوسکتا ہے کہ جہاں ہزار میں سے ۹۹۹ مسائل میں انھی کا اجتہاد صحیح ہوگا وہاں ہزارویں مسئلہ میں مجھ جیسے عامی کا۔"

مولانا جوہر کے سابقہ قول سے یہ بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ وہ بھی سید جمال الدین افغانی کی طرح اپنے افکار و نظریات کی بنیاد اجتہاد پر رکھتے تھے۔ بلاشبہ دونوں رہنماؤں نے اجتہاد

---

[1] محمد علی۔ ذاتی ڈائری کے چند اوراق۔ عبدالماجد دریابادی۔ اعظم گڑھ ۱۹۵۴ء۔ جلد ۱۔ صفحہ ۳۴۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے عام استعمال سے ملتِ اسلامیہ کو ایک طرف جامد اور اندھی تقلید سے نجات دلائی ہے تو ساتھ ہی ساتھ انھیں اجتہاد کی بدولت اتحادِ عالمِ اسلامی کی دعوت بھی دی ہے۔ مولانا جوہر نے صرف اجتہاد کے ذریعہ سے اتحادِ اسلامی کی جانب مسلمانوں کو نہیں بلایا بلکہ اتحادِ عالمِ اسلامی پر وارد کیے جانے والے اعتراضات کا دندان شکن جواب بھی دیا ہے اور مسلمانوں کو پُرزور الفاظ میں اتحاد کی ضرورت سے بھی آگاہ کیا ہے۔

فروری ۱۹۱۲ء[1] میں مشہور مستشرق پروفیسر مارگولئتھ نے FUTURE OF ISLAM کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ PAN ISLAMISM کی اصطلاح کی حقیقت ایک وہم اور خیال سے زیادہ کچھ نہیں ہے، جس میں عملی زندگی کا کوئی عنصر شامل نہیں ہے۔ پروفیسر مارگولئتھ نے اتحادِ عالمِ اسلامی کی نہ صرف اصطلاح پر بہت سے اعتراضات کیے بلکہ اس کی ضرورت اور افادیت کو بھی موردِ الزام ٹھہرایا۔

مولانا محمد علی جوہر نے اس مقالے کے جواب میں ایک پرمغز اور طویل مقالہ تحریر فرمایا۔ یہ مقالہ افضل اقبال نے مولانا جوہر کی منتخب تحریروں میں شامل کیا ہے۔ یہ مقالہ مولانا جوہر کے نظریہ اتحادِ عالمِ اسلامی کو سمجھنے میں ایک اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہم اس مقالے کے چند ضروری اقتباسات شامل تحریر کرتے ہیں۔

ڈاکٹر رشید رضا مصری نے پان اسلام ازم کی اصطلاح کو مسلمانوں کا رُوحانی اتحاد (SPIRITUAL UNITY OF ISLAM) قرار دیا تھا۔ لیکن مارگولئتھ کو اس اصطلاح پر اعتراض تھا، اس کا خیال تھا کہ یہ اصطلاح واضح نہیں ہے بلکہ اس کے پس پردہ کچھ اور اُمور پوشیدہ ہیں۔ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اور علامہ رشید رضا مصری سے اتفاق کرتے ہوئے مولانا جوہر فرماتے ہیں :-

> "دُنیا کے دیگر مسلمانوں کی طرح ہم ہندوستانی مسلمان بھی رشید رضا کے فارمولے کے پرجوش حامی ہیں۔ اس وقت ہماری حمایت میں اور بھی

---

[1] یہ مقالہ مارگولیتھ نے فروری ۱۹۱۲ء میں لکھا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زور پیدا ہوجاتا ہے جب ہم مسلسل اور تیزی سے پیدا ہونے والے
اختلافات اور بلووں سے دوچار ہوتے ہیں۔"

مولانا جوہر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں کہ اسلام صرف ایک عقیدے کا نام نہیں ہے، بلکہ ایک سماجی سیاست بھی ہے، جس میں کمزوریوں اور اختلافات کے علی الرغم مختلف علاقوں، نسلوں، رنگوں اور زبانیں بولنے والے مسلمان بندھے ہوتے ہیں اور مذہب اور قوم کا فرق اسلام کے بارے میں لاگو نہیں ہوتا۔ بلکہ ہم اسلام کے ابتدائی دور کی طرح اب مسلمانوں کو قائدانہ قوت سے مالامال کرسکتے ہیں جو کہ وہ رُوحانی یا مذہبی اتحاد کے ذریعے سے ہی حاصل کرسکتے ہیں۔

اسلام کے مستقبل پر نظر ڈالتے ہوئے اور اتحادِ عالم اسلامی کو سراہتے ہوئے مولانا جوہر نے نہایت ہی عمدگی سے تحریر فرمایا کہ یہ بات اچھی طرح سے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اتحاد عالم اسلامی کوئی ایسا بھوت یا ہوّا نہیں ہے جس سے یورپ کو ڈرایا دھمکایا جائے۔ اس کے بعد وہ اتحاد عالم اسلامی کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اس وقت اتحادِ عالم اسلامی یا اسلامی انقلاب اس لیے ضروری ہوگیا ہے کہ اسلامی حکومتیں اس وقت تباہی و بربادی کے کنارے پر کھڑی ہیں۔ مراکش یورپی کالونی بننے والا ہے۔ طرابلس اٹلی کے ہاتھوں میں چلا جائے گا۔ ایران یورپی شکنجے میں پھنسنے کے قریب ہے۔ ایشیائے کوچک جرمنی میں ضم کرلیا جائے گا اور سعودیہ عربیہ پر عیسائیوں کا قبضہ ہوجائے گا۔ اس طرح سے گویا پورا عالم اسلامی اس وقت اپنا تشخص کھونے کے قریب ہے۔ اس وقت مسلمان اسی طرح اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں کہ وہ متحد ہوجائیں اور اسلام کی خاطر اپنی جانیں لڑا دیں[1]۔ مولانا کے الفاظ ہیں:

" WE CONSIDER PAN-ISLAMISM ONLY A FORCE
FOR PURPOSE OF DEFENCE, NOT OF DEFIANCE ."

اس کے بعد مولانا جوہر ایک نہایت ہی اہم مسئلے پر روشنی ڈالتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں

---

[1] WRITINGS AND SPEECHES OF MAULANA MOHAMMAD ALI, AFZAL IQBAL LAHORE, 1963, PAGE 59

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اسلام ایسا مذہب نہیں ہے جو تلوار یا طاقت کے ذریعے تسلط چاہتا ہو۔ ایسا لکھ کر مولانا جوہر نے ان اصحاب کی تردید کی ہے جو اتحاد عالم اسلامی کی اصطلاح کو غلط معانی بتا کر یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ مسلمان ایک وحشی قوم ہیں، جب بھی ان کا اجتماع ہوگا یہ انسانیت کو نقصان پہنچائیں گے۔ اسی کی تائید میں وہ آخر میں نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتے ہیں[1] :-

" TO OUR, MIND ISLAM AND PAN-ISLAMISM ARE ONE AND NEITHER IN AGRESSIVE AND PROVOKING ".

اِن تمام نظریات سے اس امر کا بیّن ثبوت مل جاتا ہے کہ مولانا محمد علی جوہر کا یہ مقصد حیات تھا کہ وہ مسلمانوں کو متحد کر دیں اور ان کے اتحاد میں ایک ایسی قوت مضمر ہو جو مسلمانوں کو پھر سے ان کا کھویا ہوا مقام دلا دے۔ لیکن وہ خوب سمجھتے تھے کہ یہ کام اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک مسلمان خود بیدار نہ ہوں۔ انھوں نے مسلمانوں کی بیداری کے لیے بہت کوششیں کیں اور قوم کو بتایا کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ[2] کہ جب تک کوئی قوم اپنی حالت نہیں بدلتی اِس وقت تک خدا اس کی قسمت کو نہیں بدلتا ہے۔

یہاں تک ہم نے مولانا محمد علی جوہر کے ان افکار کا بیان کیا ہے جو وہ وحدتِ عالمِ اسلامی کے بارے میں رکھتے تھے۔ اب ہم ان کی زندگی سے ایسے واقعات کا ذکر کریں گے جن کا تعلق براہِ راست تحریک وحدت اسلامی سے تھا۔

ہم نے پچھلے صفحات میں ذکر کیا کہ وحدت اسلامی کے جدید داعی سید افغانی تھے۔ سید افغانی نے اپنی دعوت کو جاری رکھنے کے لیے خلیفہ عبدالحمید سے وابستگی کو ضروری سمجھا۔ اسی طرح مولانا جوہر نے بھی خلافت کی تحریک ہندوستان میں چلائی۔ کسی خلیفہ سے وابستگی اور خلافت کی تحریک چلانے میں اگرچہ بنیادی فرق ہوتا ہے، پھر بھی ان دونوں رہنماؤں میں یہ امر متفق معلوم ہوتا ہے کہ وہ وحدتِ اسلامی کے لیے کسی نہ کسی پلیٹ فارم سے وابستگی

---

۱ WRITINGS. PAGE 70 ۲ القرآن الحکیم۔ سورۃ الرعد آیت ۱۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چاہتے تھے۔ اور وہ جھنڈا صرف خلافت کا ہی ہو سکتا تھا۔ مولانا جوہر کی زندگی کا مقصد منہاج خلافت راشدہ پر خلافت کا قیام تھا۔ ہندوستان میں خلافت کی تحریک کو مقبول بنانے میں مولانا جوہر نے نہایت سخت محنت کی جس کا انھیں اس صورت میں ملا کہ ہندوستانی مسلمانوں میں باہمی اتحاد کا ایسا بیج بو یا گیا جو بعد میں پاکستان کی تحریک کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

مولانا محمد علی کی ذاتی کوششوں کے نتیجہ میں ایک مرتبہ نہرو کو خلافت کمیٹی کا صدر چنا گیا مولانا جوہر چونکہ خلافت کمیٹی کے روح رواں تھے، اس لیے ان پر یہ اعتراض بجا طور پر کیا جاتا ہے کہ انھوں نے خلافت جیسے خالص مسلمانی منصب کو ایک غیر مسلم کے حوالے کر دیا۔

یہ اعتراض اپنی جگہ بڑا وقیع ہے لیکن اس کے دو جواب دیئے جا سکتے ہیں ایک تو یہ کہ مولانا جوہر اور خلافت کمیٹی کے دیگر اراکین یہ جانتے تھے کہ وہ اسلام کے اُصول بردباری کا مظاہرہ کریں اور انسانوں پر یہ واضح کر دیں کہ وہ لڑاکے یا جھگڑالو نہیں بلکہ ان میں اس قدر وسعت ہے کہ وہ ایک غیر مسلم کے ساتھ مل کر بھی کام کر سکتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہی جا سکتی ہے کہ ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں مختلف قسم کی لہریں آتی رہیں۔ ایک وقت ایسا تھا جب کہ ہندو مسلمان مل کر انگریز سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے اور اسی دور میں نہرو کو خلافت کمیٹی کی صدارت سونپی گئی۔ لیکن ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کرنے اور ان کی ذہنیت کا اندازہ کرنے کے بعد مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ ہندو مُسلم باہم اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ اس احساس کے بعد سے کبھی ہندو مسلم اتحاد نہیں ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ مولانا جوہر نے بھی آخر میں کانگریس کو خیر باد کہہ کر مسلم لیگ کے جھنڈے تلے پناہ لی تھی اور متحدہ قومیت والے ان سے بیزار ہو گئے۔

مولانا محمد علی جوہر ہند و پاکستان کی مسلم ملت کا رشتہ دو طرف جوڑتے تھے، ایک طرف یہ ملت اپنے مادر وطن سے وابستہ تھی اور دوسری جانب وہ اسلام کی عالمی ملت کا ایک جزو تھی۔ وہ مسلم ملّت کی جداگانہ ہستی کو ہندوستانی قوم میں ضم کر دینے کے لیے تیار نہیں تھے بلکہ وہ کہتے تھے کہ

"خطوط اشتقاق اتنے گہرے اور نمایاں ہیں کہ یہ جُز وفاق کے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی اتحاد کی اجازت نہیں دیتے۔"

ان کے اس قول کی تعبیر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے یہ کی ہے[1]:۔

"اس سے ان کی مراد علاقائی وفاق نہیں بلکہ ملتوں کا وفاق

تھا۔"

اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ بھی سید افغانی کی طرح ملکوں کا ذاتی تشخص قائم رکھتے ہوئے انھیں متحد کرنے کے لیے کام کر رہے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنا مشہور عالم رسالہ کامریڈ اس لیے جاری کیا تاکہ وہ اپنے ان نظریوں کا اظہار کر سکیں اور مسلمانوں کو اس کے لیے تیار کریں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض ہندو مولانا جوہر کی وحدت عالم اسلامی کی سرگرمیوں کو شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے۔ لیکن مولانا جوہر نے ان کی پرواہ کیے بغیر، اپنا کام جاری رکھا۔

مولانا کی ساری زندگی مسلمانوں کے غم میں فکر و تدبر اور سوچ بچار میں گزری۔ ایک شب اس لیے گڑگڑا کر روتے رہے کہ اللہ تعالیٰ لیبیا کے مسلمانوں کو اطالوی مظالم سے پناہ دے۔ ہندستان میں اسور کے مسلمانوں کا مسئلہ ہو یا دلی میں سیلاب کی تباہ کاریاں، طرابلس کا سوگ ہو یا عراق کا حادثہ، بلقان کی جنگ ہو یا شام پر حملہ، انگورہ میں مصیبت ٹوٹے یا حجاز میں مسلم شعائر تباہ کیے جائیں، بیت مقدس کا المیہ ہو یا کوئی اور سانحہ، مولانا اپنے کو اس میں برابر کا شریک پاتے تھے۔ جس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ہندوستان میں بسنے والا یہ فعّال انسان ہمیشہ اسلام کے عالمی مسائل پر نظر رکھتا تھا اور ان کے حل کی تدابیر کرتا رہتا تھا جو یقیناً" ایک پیغمبرانہ کام ہے، اسی وجہ سے علامہ اقبال نے انھیں ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے ؎

سوئے گردوں رفت زاں
راہے کہ پیغمبر گزشت

---

[1] برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی۔ کراچی ۱۹۶۷ء صفحہ ۳۰۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آخر میں ہم اتحاد عالم اسلامی سے متعلق مولانا جوہر کے چند اقوال نقل کرکے اپنی گفتگو کو ختم کرتے ہیں اور فیصلہ اگلی نسلوں پر چھوڑتے ہیں کہ وہ مولانا محمد علی جوہر کے نظریہ وحدت عالم اسلامی پر غور وفکر کرکے اس پر عمل کرسکیں :-

"اسلام کی حکومت[1] تنگ نظری کی دشمن ہے جو قوم کو خلق کرتی ہے اور انسان کا کام تمام کیوتی رہتی ہے۔ ہمارا ربّ العلمین ہے، اس کے ہاں تفریق نہ عرب وعجم کی، نہ آریائی اور طبقی نسلوں کی، نہ اینگلو سیکسن اور نہ ٹیوٹن قوموں کی"

"اب نہ بنی امیہ کا دور آسکتا ہے نہ بنو عباس کا، نہ خاندان عثمان کا۔ اب حکومت اسلام، دین اسلام کی ہوگی[2]"

"مسلمانوں میں، میری خواہش ہے کہ مصالحت ہو[3]، امن ہو، اتحاد ہو۔ میری تحریروں کو پڑھنے والے جانتے ہیں کہ میں نے ابھی صلح کا دروازہ بند نہیں کیا، میں صلح کو پسند کرتا ہوں امن واتحاد کا داعی ہوں"

---

[1] محمد علی۔ ذاتی ڈائری کے چند اوراق۔ عبدالماجد دریا آبادی۔ اعظم گڑھ۔ سنہ ۱۹۵۴ء۔ جلد ۲ صفحہ ۲۲۹

[2] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۲۰۷

[3] سیرت محمد علی۔ رئیس احمد جعفری۔ لاہور۔ صفحہ ۵۲۳

© rasailojaraid.com